WOODBROOKE SERIES

WHY IS RELIGION ?

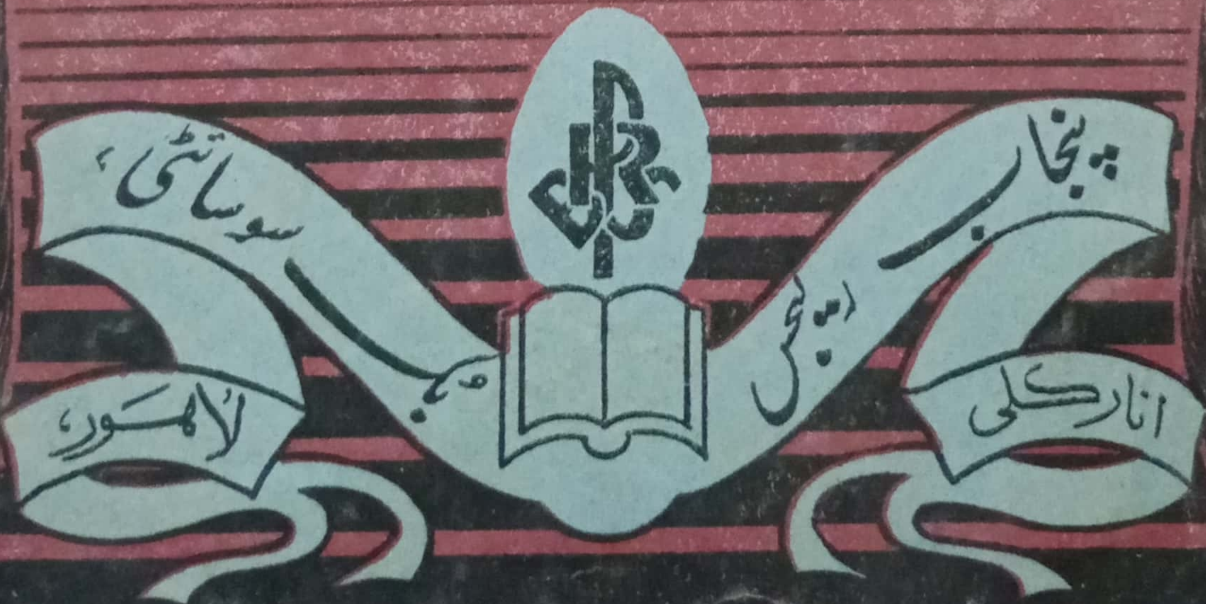
BY PROF. LOOTFY LEVONIAN

1/25

کیا مذہب کی ضرورت ہے؟

مترجمہ

پادری ایس این طالب الدین صاحب بی۔ اے



کیا مذہب کی ضرورت ہے؟

ہم ایک ایسے دَور میں ہیں جو ناپائیدار ہے اور جلد جلد بدلتا اور گزرتا چلا جا رہا ہے۔ آج ساری دُنیا میں قدیم خیالات اور روایات کی صحت اور ضرورت کی سند طلب کی جا رہی ہے۔ اور ہر جگہ پُرانے عقائد کی تصدیق کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ یہ سائنس کا عہد ہے اور سائنس کی بنیاد تجربے پر ہے۔ پس انسان ہر شے کو تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتا ہے اور صرف اُن امور کو قبول کرنا چاہتا ہے جو اس کسوٹی پر کھرے ثابت ہوں۔ یہ سماجی ارتقا کا زمانہ ہے اور انسان قدیم روایات کی جانچ پڑتال ان کی سماجی افادیت سے یعنی اس نفع و نقصان سے کر رہا ہے۔ جو اِن سے سماج کو پہنچتا ہے۔ آج خاندان کی اور سماجی ادارہ کی پرکھ اسی اصول پر ہو رہی ہے۔ مذہب اس جانچ پڑتال سے بچا ہُوا نہیں۔ بہت سے انسان آج مذہب کی ضرورت اور اس کے دعوٰوں کو اسی رائج الوقت کسوٹی پر رگڑ رہے ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا مذہب کی ضرورت ہے کیا مذہب سے نوع انسان کی ترقی ہوتی ہے؟ مذہب کا تعلّق فوق الفطرت سے ہے۔ مگر کیا انسان کسی ایسی ہستی یا قوّت کا محتاج ہے جو اس کی دُنیا سے بالا و بعید ہو۔ پھر مذہب تو انسانوں کے باہمی تعلّقات اور ربط ضبط کو خُدا کے نقطۂ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ مگر کیا اس کی کوئی

ضرورت بھی ثابت ہے۔ مذہب نجات کا تذکرہ کرتا ہے۔ کیا انسان میں اپنی نجات کی بھی سکت نہیں؟ مذہب خُدائی طاقت کا بیان کرتا ہے کیا انسان میں ہمت نہیں جو اس کی نشاط کی ضامن ہو سکے؟ مذہب کہتا ہے کہ تمام اخلاقی قوانین خُدا کے حکم ہیں اور اُن کی تعمیل لابُدی ہے۔ مگر ضرورت ہی کیا ہے کہ انسان اخلاقی وہموں کے جکڑ بند میں رہے۔ کیا اخلاقی فرائض سماج کی بہتری اور بھلائی کے واسطے سماجی دستوروں کا دُوسرا نام نہیں۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ وہ انسان کے آقا ہی بن جائیں؟

بعض لوگ تو یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ دن آنے والے ہیں جب مذہب کا سکّہ ہی نہ رہے گا۔ سائنس کی روزافزوں ترقی مذہب کو دھکیل کر میدان سے نکال دے گی۔ اِن کا یہ عقیدہ ہے کہ انسانی سماج کی تدریج اور تعمیر میں مذہب یا الٰہیات کی منزل ادنیٰ ترین درجہ رکھتی ہے۔ اس منزل میں انسان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خُدا ہے اور اسی عقیدہ کے مطابق اپنی زندگی کی چولیں بٹھاتا ہے۔ مگر یہ منزل گزر رہی ہے۔ اور انسان دوسری یعنی فلسفیاتی منزل میں داخل ہو رہا ہے۔ اس منزل میں انسان ہر خیال اور عقیدہ کو عقل کے ترازو پر تول رہا ہے۔ اور جو کچھ اس ترازو پر پورا نہیں اُترتا اُس کو رد کر دیتا ہے۔ مگر اس سے ایک بلند منزل بھی ہے۔ اور وہ سائنس کی منزل ہے۔ اُس منزل میں انسان سائنس کو سب سے اعلیٰ حقیقت گردانتا ہے۔ اور ہر شے کو سائنس کی کسوٹی پر رگڑتا ہے۔ جس شے کی سائنس تصدیق کرتی ہے اُسی کو انسانی زندگی کی بنیاد قرار دیا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا کہنا ہے۔

کہ ایک زمانہ آنے والا ہے۔ جب مذہب اور خُدا پرستی کو انسانی زندگی کی ساخت میں کچھ دخل نہ ہو گا۔ انسان مذہبی امور کو باطل قرار دے گا۔ فقط سائنس کو زندگی کی بنیاد قرار دے گا۔ اور اس کے اصولوں پر سماجی زندگی پھر سے تعمیر کرے گا۔ اس قسم کے لوگوں کا ایمان ہے کہ اس سے انسان کی مشکلیں حل ہو جائیں گی۔ اور اس کی خوش حالی یقینی ہو جائے گی۔

ایک زمانہ تھا جب کہ انسان نے بعض مذہبی عقائد پر شک کی نظریں ڈالیں اور ان کی ترمیم کا ارادہ کیا۔ مگر آج انسان کا دماغ مذہب کے خلاف جہاد کر رہا ہے اور یہ کہہ کر قصہ ختم کر دیتا ہے کہ مذہب تو محض انسان کی ابتدائی وحشی حالت کے لئے ایک ادارہ یا نظام تھا۔ جو انسان کی موجودہ حالت کے لئے بے کار ہے۔

آیئے ہم اس سوال کی چھان بین کریں کہ آیا انسان کو مذہب کی ضرورت بھی ہے؟ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ مذہب انسان کے لئے ایک لاعلاج مرض ہے۔ مذہب ہر زمانہ اور ہر ملک میں انسان کا ایک عالمگیر تجربہ رہا ہے۔ جب بھی انسان نے اپنی زندگی پر اور کائنات پر توجہ کی ہے ہمیشہ خُدا کی ہستی کا مسئلہ اس کے پیشِ نظر رہا ہے۔ جہاں بھی انسانوں کو مِل جُل کر زندگی بسر کرنے کا اتفاق ہُوا ہے۔ اُنہوں نے مذہب کسی نہ کسی صورت میں مانا ہے۔ مذہب انسان کے لئے طبعی امر ہے۔ مذہب انسان کی گھٹّی میں ہے۔ اس کی ترکیب اور تعمیر میں مذہب کا عنصر ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس میں حیرت انگیز استعداد اور صلاحیت ہے۔ مگر باوجود ایں ہمہ انسان میں اپنی محتاجی کا بھی زبردست احساس موجود

ہے۔جہاں اس میں عروج وکمال کی طرف بڑھنے کی قوّت ہے۔ وہاں اس میں اپنی مجبوری اور بے کسی کا بھی احساس ہے۔ اور وہ خُدا سے پناہ اور مدد کا خواستگار ہوتا ہے۔ انسان بے شک مادی جسم رکھتا ہے مگر اس میں رُوح بھی ہے۔ وہ روحانی ہستی ہے۔اس کے پاس ایسے ایسے معیار ہیں جو اس کے امکان اور پہنچ سے باہر اور بعید ہیں۔وہ اپنی احیاء اور بقا کے لئے محض مادی اسباب اور سامان سے مطمئن نہیں ہوتا۔اس کی ہستی کی گہرائیوں میں روحانی ولولے بھی پنہاں ہیں وہ کسی ایسی شےء کی تلاش میں ہے جو نہ تو اس کی اپنی ذات میں ہے نہ فطرت میں ہے۔ اس میں کسی ایسی چیز کی بھوک اور پیاس ہے جو اس سے بلند وبالا ہے اور فوق الفطرت ہے۔یہ طلب و تلاش اور بھوک اور پیاس انسان کی ساخت میں ہے۔ انسان کی طبعی طاقتوں اور لیاقتوں کو خواہ کتنا ہی کمال کیونکر نہ حاصل ہو تو بھی بعض طاقتیں ہیں جن کے سامنے انسان ہتھیار ڈال دیتا ہے۔یہ مادی دُنیا انسان کو خواہ کتنا ہی کچھ عطا کرے تاہم اسے حقیقی راحت اور آسودگی نصیب نہیں ہوتی۔نیز اس کی روحانی امنگوں کو خواہ کتنا ہی دبانے کی کوشش کی جائے تاہم وہ زور مار کر اس کے سینے میں اُبھر آتی ہیں یہ حقیقت ہے کہ انسان محض مادی ہستی نہیں بالیقین انسان روحانی ہستی ہے اور لا محالہ وہ اپنی تسکین اور تشفی کے لئے روحانی عالم کی طرف آنکھیں اُٹھاتا اور ہاتھ پھیلاتا ہے۔ ان لوگوں کو جو مذہب کا استیصال کرنا چاہتے ہیں اس بنیادی حقیقت سے چشم پوشی نہیں کرنا چاہیئے۔مذہب انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ مذہب کا مرض لاعلاج ہے۔

اس سے ایک اور نکتہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر مذہب انسان

کے لئے ناگزیر ہے تو انسان کی شخصی زندگی کی صحیح نشو ونما کے لئے مذہب لابُدی ہے۔ انسان میں بالیدگی اور نشو ونما کی بے پناہ قوّت ہے۔اس کی مادی بالیدگی کے لئے صحیح اور صحت بخش ماحول کی اور موزوں و مناسب غذا کی ضرورت ہے۔ اگر یہ میّسر نہ ہوں تو انسان مرض اور موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ انسان فہم و فراست میں بھی بالیدگی حاصل کرتا ہے۔ لہذا اس کو زندگی کی ہر منزل کے مناسب حال تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ ورنہ انسان جاہل رہتا اور وہم پرست بن جاتا ہے۔ اسی طرح انسان روحانی نشو ونما بھی پاتا ہے۔جس کے لئے اس کو روحانی غذا اور قوّت کی حاجت ہوتی ہے ورنہ حیوانی جذبات غالب آکر اس کی مردانگی کی رُوح کو کچل ڈالتے ہیں۔ وہ شہوت پرست، حاسد اور ناکارہ بن جاتا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ گناہ کی تعریف کیا ہے۔ گناہ انسانی زندگی میں ایک حقیقت ہے۔ گناہ ایک شکست ہے۔جب صحیح قسم کی زندگی بسر کرنے میں ناکامی ہوتی ہے تو اسی کا نام گناہ ہوتا ہے۔گناہ انسان کی اخلاقی اور رُوحانی شکست ہے۔ ہمارے اندر دو شریعتیں کام کرتی ہیں۔ ایک نیکی کی، دوسری بدی کی۔ بدی کی شریعت کی اطاعت اور پابندی گناہ ہے۔ انسان اس حالت زبوں سے۔ اس اندرونی تباہ حالی اور کشمکش سے نجات چاہتا ہے۔ وہ گناہ سے مخلصی پا کر راست بازی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ کام فقط خُدا کے فضل اور اس کی الٰہی طاقت سے ممکن ہے۔پس زندگی کے سفلہ اور ذمیمہ حصّہ پر انسان کو فتح کی ضرورت ہے اور یہ فتح صرف مذہب کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

دیگر سماجی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے بھی مذہب اشد ضروری ہے۔ انسان متمدن ہستی ہے اور دُنیا میں رہتا ہُوا سماجی تعلقات سے بچ نہیں سکتا۔ مل کر گروہوں میں رہنا خواہ وہ گروہ خاندان کی صورت میں ہو۔ یا جماعت کی صورت میں ہو انسان کے لئے ایک طبعی امر ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ امر بھی سچ ہے کہ انسان کی بڑی بڑی دقتیں اور پریشانیاں تعلقات ہی سے پیدا ہوتی ہیں اور انسان اُن دِقتوں کے حل اور زندگی کی ہمواری کے لئے سرگرداں رہتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے بہت سی تجاویز انسانی ذہن کو سُوجھی ہیں اور انسان نے نہایت تن دہی اور رغبت سے ان پر عمل بھی کیا ہے۔ مگر چونکہ وہ تجاویز سطحی اور عارضی تھیں۔ گوہرِ مقصود ہاتھ نہ آیا۔ انسان کی دِقتوں اور پریشانیوں کی جڑھ اُس کی حرص اور نفس پروری ہے۔ باہمی تعلقات کی صحت کے لئے ضرور ہے۔ کہ انسان کے ارادے اور مقاصد پاکیزہ ہوں۔ ہم ایک ایسے دَور میں سے گُزر رہے ہیں۔ جب کہ سائنس کو عروج حاصل ہے اور انسان نے قوت کے نئے نئے چشمے دریافت کیئے ہیں۔ اور حیرت انگیز چیزیں ایجاد کی ہیں۔ مگر ان سے سماجی تعلقات میں صحت اور صفائی نہیں آئی کیونکہ انسان نے اُن کو صحیح مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا۔ بے شک ہم نے عمدہ عمدہ ایجادیں کی ہیں۔ مگر ہم نے اُن کو عمدہ مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا۔ انسان کی فلاح و بہبود کے لئے ضرور ہے کہ ہمارے مقاصد بلند اور پاکیزہ ہوں۔ سائنس ہم کو یہ چیز عطا نہیں کر سکتی۔ علم تشریح البدن کا ماہر میرے جسم کی ہڈیوں اور نسوں کی تعداد اور اُن کے

نام بتا سکتا ہے اور میری جسمانی حالت کی تشریح اور تفصیل بیان کر سکتا ہے۔ مگر وہ میرے دلی ارادوں کو نہیں پہنچ سکتا ایکس رے (X RAY) میرے وجود کے تار و پود میں سے گذر سکتا ہے اور میرے بدن کے رازِ نہاں عیاں کر سکتا ہے مگر میرے سوچ بچار کی کوٹھڑی میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ہمیں روحانی نباض کی ضرورت ہے۔ جو ہماری صحیح تشخیص کرے اور ہمارے مقاصد کا تزکیہ و تصفیہ کرے۔ ہمارے باہمی تعلقات میں نفسہ نفسی اور حرص و ہوا مہلک اثر رکھتے ہیں۔ ضرور ہے۔ کہ انسان گمان ترک کرے۔ کہ میں صاحب ہُوں۔ اور دیگر تمام انسان بندے ہیں۔ برعکس اس کے انسان کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ میں کُل انسانوں کا (بالکُل ہم جنسوں کا) خادم ہُوں۔ انسان کو اپنے حقوق کی بجائے اپنے فرائض پر غور کرنا چاہیئے۔ دوسروں سے لینے کی بجائے اُنہیں دینا چاہیئے۔ اور چھین جھپٹ کرنے کی بجائے قربانی اور ایثار کو موقعہ دینا چاہیئے۔ بدی پر غالب آنے کے لئے ضرور ہے کہ انسان یہ سبق حاصل کرے کہ بدی پر نیکی سے اور نفرت پر اُلفت اور مروت سے غالب آ سکتے ہیں۔ انہیں (بالیقین) اس سبق کی بھی ضرورت ہے۔ کہ ہمیں اپنے پڑوسیوں کو بلکہ اپنے بد خواہوں کو بھی پیار کرنا چاہیئے۔ باہمی تعمیر اور ترقی کے لئے انسان کی سب سے بڑی ضرورت یہی ہے اور یہ ضرورت صرف ایک صحیح شعورِ مذہب سے پوری ہو گی۔ کیونکہ مذہب ہم کو خُدا کے تخت عدالت کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے جس سے کوئی ارادہ یا کوئی بھید مخفی نہیں۔ باہمی تعلقات میں غرور۔ حرص۔ اور حسد سے بچنے

کے لئے ضرور ہے۔ کہ انسان کو خُدا کی حضُوری کا احساس نصیب ہو۔ اگر انسان خُدا کو نظر انداز کرے تو اُس کی صحیح قوّتِ فیصلہ سلب ہو جاتی ہے۔ وہ مغرور اور سخت گیر ہو جاتا ہے اور اپنے حیوانی جذبات کا غلام بن جاتا ہے۔ صرف خُدا کی حضُوری میں انسان عاجزی اختیار کرتا اور اپنی صحیح تصویر دیکھتا ہے۔ صرف خُدا ہی ہمارے اندرونی حالات پر سے پردہ اٹھا کر ہمارا غرور اور حرص ہمیں دکھا سکتا ہے۔ پس اپنی صحیح تصویر دیکھنے اور زندگی کی شُست و شو کے لئے ہم کو مذہب کی ضرورت ہے۔ صرف مذہب ہی ہم میں یہ احساس اور قائلیت پیدا کر سکتا ہے کہ ہم حریص ہیں۔ مگر ہم کو علم ہونا چاہیئے کہ ہم مختار اور امین ہیں اور خُدا کی کل نعمتیں ہم جنسوں کی خدمت کے لئے ہم کو بخشی گئی ہیں۔

زندگی اور اس کے مقصد کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے بھی مذہب کی ضرورت ہے۔ مذہب بہت سے مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ ابتدا میں انسان نے مذہب کو زندگی کی جدوجہد میں بطور ایک سحر کے استعمال کیا۔ اپنی مصیبت اور پریشان حالی میں انسان نے اکثر مذہب کی طرف توجہ کی ہے اور جنتر منتر اور صدقہ سے غیبی طاقتوں کو اپنا حامی بنانے کی کوشش کی ہے۔ نیز بعض مخصوص رسُوم کی ادائیگی سے مذہب کو سماجی زندگی کے لئے بطور محرّک کے استعمال کیا گیا ہے۔ سلطنت رُوم میں مذاہب امراء ایسا کرتے تھے۔ آج بھی بعض جاہل قبیلے یہی کرتے ہیں۔ پھر دُنیا اور روز مرّہ کے واقعات کی توضیح اور تشریح کے لئے بھی مذہب ہی کو استعمال کیا

گیا ہے۔ زمانہ قدیم کے علم الاصنام اور زمانہ مابعد کے علم الٰہی نے بھی یہی کام دیا۔

مگر ان سے اور مذہب کے ایسے ہی دیگر استعمالوں سے مذہب کی حقیقت نہیں کھُلتی۔ مذہب حقیقت میں نہ تو سحر ہے نہ سماجی مظاہرہ ہے۔ نہ علم الاصنام ہے۔ نہ محض علم الٰہی ہے۔ بلکہ رُوح کا مشاہدہ ہے۔ مذہب ایک آگاہی ہے کہ مادی عالم کے ماسوا اور ماوراء ایک رُوحانی عالم بھی ہے۔ مذہب مادی دُنیا کی حدوں سے پرے جانے والی ایک حقیقت ہے۔ مذہب نادیدنی کا یقین ہے۔ مذہب روحانی اور غیر مرئی پر ایمان ہے۔ المختصر مذہب خُدا پر ایمان ہے۔ یہی مذہب کی جان ہے اور اسی میں انسانی زندگی کے لئے ایک مستقل اور ناگزیر قدرت ہے۔

مگر جب ہم کہتے ہیں "ایمان خُدا پر" تو اس سے مراد ہے۔ "ایمان زندگی پر"۔ انسان زندگی کے منجدھار میں طوفانوں اور حسرت انجام وارداتوں سے گھرا ہُوا ہے۔ قُدرت کی اندھا دُھند کام کرنے والی طاقتیں انسان کو ڈرا اور دھمکا رہی ہیں اور انسان زندگی کی پائیداری چاہتا ہے۔ خُدا پر ایمان رکھ کر ہی انسان تغیر اور انقلاب میں اُستواری اور انتشار میں سکون حاصل کر سکتا ہے۔ ایمان ہی ہمیں سکھاتا ہے کہ زندگی موجِ سراب نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے۔ زندگی کچھ معنے رکھتی ہے۔ اور اس کا ایک مقصد ہے جو پورا ہو رہا ہے اور ایک زندگی ہے جو موت کی وسعت اور گرفت سے بہت آگے ہے۔ خُدا پر ایمان ہی انسان کو پریشانی میں

خود ضبطی۔ مصیبتوں میں ہمت اور ہچکولوں میں ثبات عطا کرتا ہے۔ اس ایمان کے بغیر انسان زندگی کی گراں باری کے نیچے دب کر رہ جائے۔ اسی ایمان سے ہم جرأت اور امید کے ساتھ زندگی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ مادہ پرست ہمیشہ قنوطی (مایوس) ہوتا ہے۔ کیونکہ مادہ فنا پذیر ہے۔ صرف رُوح کو بقا حاصل ہے۔ دُنیا میں سب سے بڑا حادثہ دولت یا صحت کا نقصان نہیں بلکہ متاعِ ایمان کا لُٹ جانا خسارۂ عظیم ہے۔ کیونکہ خُدا پر ایمان نہ رہے تو زندگی میں کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔

خُدا پر ایمان رکھنا ہی انسانی زندگی کے ارتقا کا ضامن ہے۔ بادی النظر میں تاریخ واقعات کا ایک سلسلہ ہے۔ جس پر اقتصادی اغراض یا موسمی تبدیلیاں حکومت کرتی ہیں اور قوّتِ حیوانی سے نتائج تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ سطحی طور پر تاریخ زندگی کے قیام و دوام کے لئے ایک سخت قسم کی جدوجہد معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایسا ہنگامہ معلوم ہوتی ہے جس میں دھاوے۔ چھاپے۔ لُوٹ مار اور خون ریزی منظر آتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ عارضی ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس جدوجہد سے پرے کچھ اور قانون ہیں۔ جو تاریخ کے سلسلہ واقعات پر غالب ہیں اور قوموں کا حشر انہیں کے ہاتھ میں ہے۔ مذہب ان قوانین کی طرف ہماری توجہ راغب کرتا ہے۔ تاریخ محض سیاسی واقعات کا مجموعہ یا سلسلہ نہیں جو سیاسی چالوں یا حیوانی قوّت سے پیدا ہوتے ہوں۔ بلکہ ایک ایسا عمل ہے۔ جس میں آخری فیصلہ رُوحانی عناصر کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہم بدی کے

غلبہ اور راست بازوں کی اذیّت کے مسئلے کو تسلّی بخش طریق پر حل نہیں کر سکتے۔ مگر ہم کو وثوق حاصل ہے۔ کہ نیکی۔ عدل اور راستی کے اصولوں کو نظر انداز کرنے سے تباہی آتی ہے۔ اور ذاتی اغراض۔ حرص۔ اور نفس کوشی سے سماجی زندگی میں انتشار اور ابتری آتی ہے۔ خُدا پر ایمان رکھنا۔ گویا مروّت اور محبّت کی طاقت پر ایمان رکھنا ہے۔ تاریخ کی صحیح تشریح میکانکی اور مادی تشریح نہیں بلکہ روحانی تشریح ہے۔ انجام کار روحانی طاقتیں ہی تاریخ میں نتائج پیدا کرتی ہیں اور آج اس بے چین اور بے کل دُنیا میں ہمیں اسی ایمان کی ضرورت ہے۔

”مذہب کی ضرورت“۔ اس سوال پر بحث کرتے وقت ہم بڑے بڑے مذہب پرستوں اور دین داروں کی زندگیوں کا اور بالخصوص یسُوع مسیح کی زندگی کا جس کی زندگی میں حقیقی مذہبی زندگی مجسّم اور نمایاں تھی مطالعہ کریں گے اور اُن سے بیش قیمت سبق حاصل کریں گے۔ یسُوع مسیح کو مذہب پر پورا یقین تھا اور اُس کی زندگی اور موت ایک مذہب پرست کی تھی۔ اُس کو یقین حاصل تھا کہ روحانی زندگی اصل زندگی ہے۔ اور انسان کے بلند ترین مقاصد اسی سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ روحانی زندگی کو اُس نے عارضی زمینی زندگی کے مقابلے میں ”ہمیشہ کی زندگی“ کہا۔ یسُوع مسیح کا سب سے بڑا مقصد یہی تھا۔ کہ وہ روحانی زندگی کی قدر و قیمت کا احساس بیدار کرے۔ انسان عارضی زندگی سے مطمئن تھے اور ادنےٰ درجہ کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مسیح نے ان کو ہمیشہ کی زندگی کی

طرف دعوت دی ۔ یہ "ہمیشہ کی زندگی" کیا ہے ۔ ہمیشہ کی زندگی خدا کو انسان کے پاس لاتی ہے ۔ مسیح یسوع کے زمانہ میں لوگ کثرت الارباب کا عقیدہ رکھتے تھے اور ان کے ارباب یا دیوتا اپنے معتقدوں کے لئے سیرت کا بلند معیار یا نمونہ پیش نہ کرتے تھے۔ وہ شہوت پرست ، غیر مہذب ۔ حاسد ۔ اور منتقم تھے ۔ ان کے علاوہ توحید پرست لوگ بھی تھے ۔ مگر اُن کا خُدا اس قدر دُور اور بلند تھا ۔ کہ اپنے عابدوں کے ساتھ کسی قسم کا میل جول نہ رکھتا تھا ۔ یسُوع مسیح کی زندگی میں ہم واحد خُدا کو دیکھتے ہیں جو قدوس اور قادر ہے ۔ مگر عابدوں کے پاس ہے اور محبت ہے ۔ یہ خُدا جنگلی سوسنوں کو لباسِ حُسن پہناتا اور پرندوں کو اُن کا رزق پہنچاتا ہے ۔ وہ سب کی فکر کرتا ہے ۔ یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی چڑیا بھی اُس کی نظروں سے اوجھل نہیں ۔ انسان اُس کی محبّت اور رحمت سے کس طرح محروم رہ سکتے ہیں ۔ اگر ہمارے والدین ہمیں اچھی اچھی چیزیں مہیا کرتے ہیں تو خُدا باپ ہمیں اچھی چیزوں سے کیوں نہ سیرو آسودہ کرے گا ۔ اُس نے کہا ہے "مانگو تو تمہیں دیا جائے گا ۔ ڈھونڈو تو تم پاؤگے ۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے واسطے کھولا جائے گا ۔" خُدا مہربان ہے ۔ خُدا قریب ہے ۔

مسیح یسُوع کے زمانہ میں خُدا کا تصوّر اس سے بہت اختلاف رکھتا تھا ۔ انسان خُدا کو ایک من موجی ہستی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ آسمانوں پر تخت نشین ہے اور جیسی اُس کی مرضی ہوتی ہے ۔ انسانوں پر فراغت اور تنگی اور سزا اور جزا بھیجتا ہے ۔ وہ

ایک خوفناک ۔ خودرائے اور مجہول العلم حاکم مطلق تھا ۔ مسیح یسُوع نے ان تمام غلط تصوّرات کا ازالہ کیا ، اور یہ دکھایا کہ خُدا سب کا باپ ہے ۔ جو سب کے قریب ہے ۔ اور سب پر مہربان ہے ۔ یقیناً اس قسم کا ایمان زندگی کا نقطۂ نگاہ ہی بدل دیتا ہے اور کمزوری میں زور ۔ مایوسی میں اُمید ۔ مصیبت میں ہمت اور پریشانی میں اطمینان عطا کرتا ہے اور مذہب کو بوجھ کی بجائے نشاط بناتا ہے ۔ انسان کو اس ایمان کی ضرورت ہے ۔ خُدا مہربان ہے ۔ اور خُدا ہمارے پاس ہے ۔

یہ ایمان اور عقیدہ انسانوں کو خُدا کے پاس اور نزدیک تر لے آیا مذہب کی "تاریخ میں خُدا رسی کا مسئلہ انسان کے لئے بے حد دِق کرنے والا ثابت ہُوا ہے ۔ انسان نے خُدا کو ہمیشہ ناقابل رسائی سمجھا ہے ۔ اور اُس کی خوشنودی کے کئی ڈھنگ نکالے ہیں ۔ انسان کا عبادت کی غرض سے خُدا کے پاس آنا آسان نہ تھا ۔ بلکہ بہت سی پُرتکلّف رسمیات ادا کرنی پڑتی تھیں ۔ وضو اور نماز کے بہت پیچیدہ ضابطے تھے ۔ علاوہ ازیں ہادیانِ دین کا ایک سلسلہ تھا جو خُدا اور انسان کے درمیان میانجی گری کرتا تھا ۔ معقول عبادت کے لئے عابد کو یہ کل بکھیڑا کرنا پڑتا تھا ۔ یہاں تک کہ مذہب کی پیروی انسان کے لئے ایک دشوار گزار منزل تھی ۔

مسیح یسُوع نے اس تمام ٹنٹے کو نظرانداز کر دیا ۔ اور کہا کہ عبادت میں آزادی ہونی چاہیئے ۔ مسیح یسُوع ہر گھڑی اور ہر جگہ دُعا کر لیتا تھا ۔ اور ہر عابد کو یہی تلقین کرتا تھا ۔ نہ کسی رسم کی ادائیگی کی ضرورت تھی ۔ نہ

کسی درمیانی کی احتیاج تھی۔ ہر انسان آزادی سے خُدا کے پاس جا سکتا ہے۔ ہر فرد و بشر خواہ کیسا سیاہ کار کیوں نہ ہو۔ خُدا کی حضوری میں حاضر ہونے کا حق دار ہے۔ مسیح یسُوع کی یہ تعلیم انقلاب آور تھی۔ اُس زمانہ کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ انسان خُدا کے قریب آنا چاہتا ہے مگر خُدا کو انسان کی نزدیکی ناپسند ہے۔ مگر مسیح یسُوع نے یہ تعلیم دی کہ خُدا انسان کے لئے چشم براہ رہتا ہے۔ مگر انسان ہے کہ منفعت نہیں ہوتا۔ عوام کہتے تھے کہ خُدا کے پاس جانے کے لئے فقط ایک تائب دل کی ضرورت ہے۔ عوام میں یہ خیال رائج تھا کہ انسان کے ساتھ خُدا کی صلح کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ انسان درحقیقت خُدا کے ساتھ وفادار نہیں رہا۔ نیز یہ یقین عام تھا کہ انسان خُدا کی جُستجو میں ہے۔ مگر خُدا کو پا نہیں سکتا۔ مسیح یسُوع نے کہا کہ دراصل خُدا انسان کی تلاش میں ہے اور انسان ہے کہ اپنے دِل کا دروازہ بند کئے ہوئے ہے۔ اس کی توضیح کے لئے مسیح یسُوع نے کئی ایک سادہ مگر معنی خیز تمثیلیں کہیں۔

اُس نے کہا کہ ایک گڈریا تھا۔ جس کے پاس سو بھیڑوں کا ریوڑ تھا۔ اُن میں سے ایک گم ہو گئی۔ اُس نے ننانوے کو تو چھوڑا اور اُس کھوئی ہوئی کی تلاش کرتا رہا جب تک وہ مل نہ گئی۔ خُدا بھی اس گڈریا کی طرح کھوئے ہوئے انسان کی تلاش میں ہے۔

پھر اُس نے کہا کہ ایک عورت کے پاس دس درہم تھے۔ اُن میں سے ایک کھو گیا۔ اُس عورت نے چراغ جلایا۔ درہم کی تلاش کی اور جب تک مل نہ گیا تلاش کرتی رہی۔ اسی طرح خُدا ہر گمراہ رُوح کی تلاش

میں ہے۔

اس کے علاوہ یسُوع مسیح نے ایک باپ کی نہایت دلچسپ داستان سنائی۔ جس کے دو بیٹے تھے۔ اور اُن میں سے ایک یعنی چھوٹا بیٹا گھر چھوڑ کر عیش کی زندگی بسر کرنے کے لئے پردیس چلا گیا تھا۔ مگر ایک دن یہ لڑکا پشیمان ہو کر واپس گھر آیا۔ باپ سے اپنی نازیبا حرکت کا اقرار کیا۔ اور افسوس کا اظہار کر کے توبہ کی۔ جب باپ نے اس بے وفا بیٹے کو دُور سے گھر کی طرف واپس آتے دیکھا تو بھاگ کر اُس کا استقبال کیا۔ اُسے گلے لگایا اور چُوم کر پیار کیا۔ اس لئے کہ اُس کا کھویا ہوا بیٹا مل گیا تھا۔ خُدا بھی باپ کی طرح ایک شفیق دل رکھتا ہے۔ اور اپنے تائب فرزندوں کو معاف کرنے اور خاندان میں قبول کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہے۔ خُدا رسی کے مسئلہ پر مسیح کی تعلیم ایسی تھی۔ خُدا کو کسی زکوٰۃ کی ضرورت نہیں بلکہ وہ خلوص چاہتا ہے۔ وہ قربانی سے نہیں بلکہ تائب دِل سے خوش ہوتا ہے۔ گرے ہوئے انسان کے لئے مسیح کا یہی پیغام تھا۔ یہ خوش خبری تھی۔ جو کُل انسانوں کے واسطے تھی۔ اس میں برگشتہ اور نا اُمید انسان کے لئے امیدوں کا ہجُوم تھا۔ اس میں کلام نہیں کہ جیسا ایمان مسیح خُدا پر رکھتا تھا۔ اس قسم کا ایمان امید پیدا کرتا ہے۔ جس سے زندگی میں وہ حوصلہ اور سُرور آتا ہے جس کی انسان کو ضرورت ہے۔

اس ایمان سے انسان ایک دوسرے کے نزدیک تر آ گئے :-

مسیح کے ایّام میں لوگ فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان فرقوں کی تقسیم قومی، مُلکی اور مذہبی اعتقادات کی بنیاد پر کی گئی تھی۔ ہر فرقہ

دوسرے فرقہ کو شک اور حسد کی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ فریسی صدوقیوں سے نفرت کرتے تھے اور صدوقی غیر فرقہ والوں سے نفرت کرتے تھے۔ یہودی سامریوں کو حقیر جانتے تھے۔ رُومی اور یہودی سیاسی بناء پر ایک دوسرے سے بگڑے رہتے تھے۔ حالانکہ ایک ہی سرزمین میں بستے تھے۔ اُس زمانہ میں غلامی کا رواج تھا۔ آقا غلاموں سے بد سلوکی کرتے تھے۔ اور غلام آقاؤں پر لعنت بھیجتے تھے۔ غرضیکہ اُس زمانہ کی دُنیا ہماری دُنیا کی طرح پریشانی اور ہیجان میں مبتلا تھی۔ انسان دوسروں کی بھلائی کے لئے باہمی میل اور موافقت کے اصول پر بھول کر بھی غور نہیں کرتے تھے۔ بلکہ برعکس اس کے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور ہنگامے اور فساد برپا کرتے رہتے تھے۔ مسیح نے اس قسم کی شکستہ دُنیا کو جس کا شیرازہ بکھرا ہُوا تھا۔ میل ملاپ اور برادرانہ اُلفت کی تعلیم دی۔ اُس نے زندگی کا ایک نیا طرز پیش کیا۔ جس سے مروّت اور رفاقت ترقی کرتی ہیں اور خیر خواہی بڑھتی ہے۔ مسیح نے اپنے زمانہ کے لوگوں میں ایک نئی رُوح پھونک دی۔ جو اُن کے گِلے اور رنجشیں دُور کر کے اُن کو ایک دوسرے کے اعضا اور بہی خواہ بنانے والی تھی۔ اُس نے کہا۔ اگر تیرا بھائی قصور کرے تو اُسے معاف کر۔ ستّر کے سات دفعہ معاف کر، جو تجھے بے وجہ دُکھ پہنچائے تو اُس کے لئے دُعا کر۔ اگر تمہارا کوئی دُشمن ہے تو اُسے پیار کرو۔ بڑا بننے کی کوشش نہ کرو۔ بلکہ دوسروں کی خدمت کو فخر سمجھو۔ تمہارا مقولہ اور دستورالعمل یہ ہونا چاہیئے۔ کہ خدمت النّاس احسن الاذکار ہے۔ ایک دوسرے سے محبّت رکھو۔

ایسا کیوں کریں۔ مسیح نے یہ اصول اس خیال سے پیش نہ کئے کہ

اچھی زندگی بسر کرنے کے لئے اِن کو اخلاقی ضابطہ سمجھا جائے۔ یا اِن کو خوشی کا ذریعہ بنایا جائے۔ بلکہ مسیح خُداوند نے ان کی تلقین فرمائی اور کہا کہ خُدا اِسی طرح کرتا ہے۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ اس لئے کہ خدا چاہتا ہے کہ سب انسان اُس کی روش پر چلیں۔ چونکہ خُدا نے تمہارے قصور معاف کئے ہیں۔ تم بھی ایک دوسرے کے قصور معاف کرو۔ چونکہ خُدا تم سے رفاقت اور محبّت رکھتا ہے۔ تم بھی ایک دوسرے سے رفاقت اور محبّت رکھو۔ ہر قوم قبیلے اور مذہب کے انسان کی خدمت کرو۔ اس لئے کہ خُدا اپنی بارش اور دُھوپ بلا امتیاز سب انسانوں کے لئے بھیجتا ہے۔ اپنے دشمن کو پیار کرو۔ اس لئے خُدا نے تم کو پیار کیا ہے۔ حالانکہ تم اپنی طبیعت سے خُدا کے دُشمن تھے۔ خُدا تمہارا باپ ہے۔ اس یقین اور ایمان کے پیش نظر سب سے نیک برتاؤ کرو۔ مسیح کی اخلاقی تعلیم کی بنیاد مذہب ہے۔ تعلیم میں اُس کا مقصد انتہائی درجہ کا روحانی ہے۔ اگر کل انسان خدا کو باپ سمجھیں اور اُس کی مہربانی کا صحیح تصوّر حاصل کریں۔ تو یقیناً انسانوں میں میل ملاپ۔ خیر خواہی۔ اور یگانگت پیدا ہو۔ خُدا ازلی اور ابدی ہے۔ اُس کی رحمت دائمی ہے۔ سب کچھ بدل جائے تو بدل جائے۔ مگر وہ بے تبدیل ہے۔ اسی بنیاد پر انسان اپنے سماجی تعلّقات کی عمارت کھڑی کر سکتا ہے۔

کیا مذہب کی ضرورت ہے۔ کیا مذہب ایک لازمی امر ہے۔ کیا انسانوں کو خُدا کی ضرورت ہے۔ دُنیا کی اصل تکلیف کیا ہے۔ کیا اُس تکلیف کی یہ وجہ نہیں کہ انسانوں نے خُدا کو فراموش کر دیا

ہے۔ کیا ہماری تکلیف یہ نہیں کہ ہم نے مادہ پرستی اختیار کر رکھی ہے۔ اور رُوح کو نظر انداز کیا ہے۔ ہم نے خُدا کی بجائے دولت کی پرستش کی ہے۔ ہم نے اپنی تجاویز پر بھروسہ کیا ہے اور خُدا کو موقعہ ہی نہیں دیا۔ ہم نے خُدا کو فراموش کر دیا ہے اور اپنی تدبیروں کی پیروی کی ہے۔ نتیجہ جس کا یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی نہایت تلخ بنالی ہے۔ ہماری نجات کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم خُدا کی طرف رجوع کریں اور اُسے اپنا مالک اور باپ قبول کریں۔ ہمیں ایسے مذہب کی ضرورت ہے جیسا مسیح یسُوع کا تھا۔ جو ہم میں نئی رُوح اور نیا ایمان بھر دے۔ ہمیں ایسے ایمان کی ضرورت ہے۔ جس کی بنیاد خُدا کی محبّت پر رکھی گئی ہو اور جو خُدا کو انسانوں کے نزدیک لے آئے۔ اور انسانوں کو خُدا کی حضوری میں پہنچا دے اور اس طرح انسانوں کو حقیقی رفاقت اور محبّت سے متحد کر دے۔

خُدا اور یسُوع مسیح کو جاننا ہمیشہ کی زندگی ہے۔



تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور میں باہتمام مسٹر ڈی ایس۔ کے نفضل منسکیرٹری پنجاب رلیجس

بک سوسائٹی۔ انار کلی لاہور سے چھپ کر شائع ہوئی

Printed at the Talimi Press, and published by
Mr. V.S.K. Fazl, Secretary, Punjab Religious Book Society,
Anarkali, Lahore,

2nd Edition 1956 1000 Copies.